Woodbrooke Series.

RELIGION AND SOCIAL QUESTIONS.

BY

PROF. LOOTFY LEVONIAN

مذہب اور معاشرمی مسایل

مصنفہ

پروفیسر لطفی لیوونیان صاحب

مقیم بیروت

پنجاب ریلجس بک سوسائٹی

انارکلی - لاہور

The Punjab Religious Book Society,

Anarkali, Lahore.

مذہب اور معاشری مسائل

مذہب سے متعلق بحث میں مذہب اور معاشری مسائل کا باہمی رشتہ ایک نہایت اہم سوال ہے۔ دورِ حاضرہ میں دُنیا مالی۔ معاشری۔ تمدنی اور قومی مسائل کے متعلق نہایت جوش و خروش سے غور کر رہی ہے۔ اور لوگ ان مشکل مسائل کے لئے ایک ایسے علاج کی جستجو میں ہیں۔ جو مستقل اور مفید ہو کیونکہ یہ مسائل روز بروز مزید مشکلات انسان کے سر پر لاتے ہیں۔

جس حال کہ لوگ ایسے علاج کی تلاش نہایت جوش سے کر رہے ہیں اُن کی نگاہ مذہب پر پڑتی ہے جس کا کام یہ ہے کہ انسان کے آرام اور اُس کی خوشی کا باعث ہو اور اُس وقت یہ سوال نہایت سنجیدگی سے پوچھا جاتا ہے کہ آیا مذہب اس قابل ہے کہ زندگی سے متعلق ان اہم مسائل کی پُورے طور سے شناخت کر کے اس مرض کا صحیح علاج کر سکتا ہے یا نہیں؟ لہٰذا ان اہم سوالات میں سے جو آجکل مذہب کے درپیش ہیں ایک یہ ہے:۔ کیا معاشری مسائل سے مذہب کا کوئی رشتہ و تعلق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ رشتہ کیا ہے؟

زمانہ گذشتہ میں اکثر لوگوں نے اس اُصول کی پیروی کرتے ہوئے کہ "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" جنگ کی اجازت دی بلکہ اُس کو پسند کیا ہے اور اس امر پر اصرار کیا کہ صلح و امن کو قائم کرنے کا بہترین طریقہ ظلم و تعدّی ہے اور اُنہوں نے اس خیال کی صداقت کو ثابت کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ یہ طریقہ جو امن و امان کے قائم کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے درحقیقت نسلِ انسانی کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوا ہے۔ بے شمار اقوام نے محض جنگ کے ذریعہ سرداری اور سرفرازی حاصل کرنے میں خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو تباہ کر دیا ہے۔ کیا یہ یقین کے قابل بات ہے کہ بنی نوع انسان جو ایک دوسرے کے اعضا ہیں اور اُن کا ہر ایک کام ایک دوسرے پر منحصر ہے اُن کی خوشی فقط ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کے ذریعہ سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ پس اُس خوفناک تباہی نے جو اُس کے بعد وقوع میں آئی اس طریقہ کو ناکام ثابت کیا ہے۔

بعض اور لوگوں کا یہ خیال رہا ہے کہ قومی بدامنی کا اصل سبب مالی اختلاف اور بے انصافی ہے اور اگر ظلم و تعدّی کے ذریعہ سے موجودہ مالی انتظام کی بیخکنی کی جائے تو دُنیا کی حالت بالکل دُرست ہو جائے اور لوگوں کی خوشی کا ذریعہ میسّر ہو سکے۔ لیکن ہر چند کہ افراد کی مالی حالت کی بہتری ایک اہم امر ہے۔ تاہم حقیقی خوشی ان اُصولوں سے وابستہ ہے جو مالی ضروریات سے زیادہ تر ضروری ہیں۔ یہ امر تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ لوگوں کی معاشری حالت کی اصلاح کے ذریعہ سے اِن کی حقیقی خوشی ممکن نہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ظلم و ستم کے اُن طریقوں

سے جو عموماً مقبول عام ہیں۔ بجائے اس کے کہ کسی قوم کی حالت دُرست ہو جائے اکثر اوقات اس کی حالت بگڑ جاتی ہے۔ حقیقی اصلاحات تیار شدہ لباس کی مانند جبراً لوگوں کو نہیں پہنائے جا سکتے۔ اصل ترقی کے لئے اخلاقی نشو و نما اور روحانی فضیلت کی ضرورت ہے۔

ایک اور جماعت کی یہ رائے ہے کہ امن و امان نئے قواعد و قوانین اور مختلف اقوام کے درمیان عہد و پیمان کے ذریعہ سے ممکن ہو سکتے ہیں یہ مفید تو ہیں لیکن کافی نہیں۔ یہ عہد و پیمان اس قدر قوی نہیں کہ اُن شرائط کو بجا لانے پر قادر ہو سکیں جو باہمی اتفاق کے ساتھ نہایت نازک اوقات میں آپس میں قائم کی جاتی ہیں۔ ایسے نازک وقتوں میں عہد و پیمان پائمال کئے جاتے ہیں اور وہ صلح و سلامتی جس کی توقع ہوتی ہے حاصل نہیں ہوتی۔ عہد و پیمان فقط اُس وقت کامیاب ہو سکتے ہیں جبکہ لوگ خود غرضی کے خیالات سے مبرّا ہوتے ہوں۔ اور اُن کے دل و دماغ اس قسم کی آلودگی سے پاکیزہ ہیں۔ محض قواعد و قوانین سے امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔

اس مسئلہ کے متعلق مذہبی تعلیم کا معائنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کا یہ ایمان ہے کہ مالی و تمدّنی مسائل بنیادی طور سے اخلاقی اور روحانی ہیں اور معاشری زندگی کے فساد کی بنیاد شخصی زندگی کے اخلاقی اور رُوحانی فساد ہیں اور مذہب اِس امر پر اصرار کرتا ہے کہ ان فسادوں کا مستقل اور صحیح علاج فقط روحانی اور اخلاقی اُصول پر منحصر ہے۔ پس مذہب معاشری سرت کے قائم ہونے کے لئے تمام معاشری اصلاحات کی تائید کرتا ہے۔ لیکن بالخصوص وہ اِس بات کی سعی کرتا ہے کہ لوگوں کے

دل و دماغ کو بدل ڈالے اور اس طور سے تمام معاشری انتظام کو بھی تبدیل کر دے۔

مذہب پیچیدہ معاشری مسائل کے حل کرنے کے لئے کوئی خاص قوانین اور تمدنی تجاویز پیش نہیں کرتا۔ یہ مذہب کے احاطہ سے باہر ہے۔ لیکن مذہب اُس روحانی زور و قوت اور اخلاق کو پیدا کرتا ہے جو معاشری قوانین اور مختلف اقوام کے باہمی عہد و پیمان کے بجا لانے کے لئے لازم ہے۔ علاوہ بریں مذہب کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ روحانی اور اخلاقی طاقت انسان کو فقط خدا کی قربت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مذہب اس طریق سے خدا کو پاکیزگی اور راستی کا معاون اور محافظ ظاہر کرتے ہوئے یہ چاہتا ہے کہ تمام انسان اس قوت کو حاصل کریں اور اسی کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کریں۔ مذہب اس اُصول کی تعلیم دیتا ہے کہ حقیقی اور مستقل خوشی اسی طور سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اگر ہم صحیح طور سے غور کریں تو ہم دیکھینگے کہ معاشری زندگی کی اصلاح کے لئے یہی قانون بہترین ہے۔ اگر انسان کی خوشی فقط قواعد و قوانین کے وسیلہ سے ممکن ہوتی تو پھر اُن ممالک میں جہاں اعلےٰ تریں قوانین موجود ہیں ظلم اور بدترین قبائح ظہور پذیر نہ ہوتے۔ اگر اقوام کے مابین معاملات کا فیصلہ عہد و پیمان کے ذریعہ سے ہو سکتا تو پھر مختلف ممالک تباہ کیوں ہوتے؟ یہ نہایت فضول اور بے فائدہ بات ہے کہ ہم یہ تسلیم کر لیں کہ محض ان طریقوں سے یعنی مختلف اقوام کے درمیان عہد و پیمان کو دُہرانے سے حقیقی صلح اور راستی لوگوں کے

درمیان قائم ہو سکتی ہے اور یا وہ نئے قواعد و قوانین کے جاری کرنے اور حدود بندیوں اور قومی ثغور کے مقرر کرنے وغیرہ کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ معاشری مسائل کی بنیاد دیگر عمیق اُصولوں پر مبنی ہے۔

ہم ایک ایسے مکان میں جہاں کینہ اور عداوت موجود ہو اسباب کو از سرِ نو بدلنے سے امن و امان کو قائم نہیں کر سکتے۔ دنیا بھی ایک عظیم خاندان کی مانند ہے۔ جبتک اقوام و افراد کے درمیان اخلاقی اور عقلی اخلاص نہیں موجود ہوگا تب تک مستقل اور حقیقی امن و امان وجود میں نہ آئیگا۔ قواعد و قوانین کا تعلق ان مسائل سے فقط خارجی ہے۔ ان قواعد و قوانین کو عملی جامہ پہنانے کے لئے یہ لازم ہے کہ ان جذبات کو جو ان قباحتوں کو پیدا کرتے ہیں رفع کیا جائے۔ جبتک کہ اقوام میں برادرانہ سلوک کی روح نہ آئیگی تمدنی عہد و پیمان محض ایک ایسے صُلح نامہ کی مانند ہونگے جو از سرِ نو جنگ کرنے سے پیشتر کیا جاتا ہے۔ تمدنی۔ قومی۔ مالی اور تجارتی مسائل سب کے سب ایسے مسائل ہیں جو افراد کے باہمی رشتہ و تعلق سے وابستہ ہیں جبتک کہ بائع مشتری کو فریب دیکر یہ چاہیگا کہ اپنے مال کو جس قدر زیادہ قیمت پر بیچ سکے بیچے اور اسی طرح مشتری یہ چاہیگا کہ جہانتک ممکن ہو مال بائع کو کمترین قیمت دے اور مالک یہ چاہیگا کہ کارگذار کو فریب دیکر ادنیٰ سے ادنیٰ اُجرت کے عوض جس قدر ممکن ہو اُس قدر زیادہ خدمت اُس سے لے اور مزدور کی یہ تمنا ہوگی کہ اعلیٰ سے اعلیٰ معاوضانہ لیکر مالک کے لئے جہانتک ممکن ہو کم کام کرے۔ یا بہ الفاظِ دیگر جبتک افراد کے درمیان خود غرضی کے خیالات رہینگے تب تک قوانین کے ذریعہ سے نہ تو قومی تعلقات اور نہ

ہی افراد کے درمیان معاشری معاملات کا فیصلہ ہوسکیگا۔ برعکس اس کے جب قوموں اور آدمیوں کے درمیان اُخوّت کے خیالات قائم ہو جائینگے اور جب بنی نوع انسان اپنے باہمی تعلقات کو ایک نئے نقطۂ نگاہ سے دیکھنے لگینگے اُس وقت میل ملاپ۔ عدل و انصاف اور صُلح و امن جن کو عہد و پیمان قائم نہ کرسکے خود بخود پیدا ہو جائینگے۔ اس کے خلاف اگر لوگ خود غرضی سے کام لینگے اور اپنی محبّت اور دوستی کو ایک خاص قوم اور زبان۔ مُلک یا مِلّت تک محدود کر دینگے تو ایک دوسرے کے قریب آنے کی بجائے اُن میں جُدائی واقع ہوگی۔ حقیقی صلح و سلامتی کو قائم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ لوگوں کا نقطۂ نگاہ خود غرضی سے دُور ہو۔ اور دُنیا میں اُخوّت کا خیال پھیل جائے۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ اس مقام پر مسیح کی زندگی کا مطالعہ اور معاشری معاملات کے متعلق اس کے نقطۂ نگاہ اور اُن اُصولوں کو سمجھنا جو اُس نے پیش کئے نہایت مفید ہوگا۔ مسیح کا مُدعا یہ تھا کہ ایک بنیادی تجدید۔ اور انسان کی معاشری زندگی میں تغیر واقع کرے اور اس طرح سے لوگوں کے باہمی تعلقات میں بالکل نئے اصولوں پر تکیہ کرنے سے ایک نئی جماعت قائم کر دے۔ اور مسیح نے اِس مقصد کے پُورا ہونے کے لئے کوئی احکام نہ دیئے۔ اُس نے افراد پر اثر کرنے سے جماعت کی اصلاح کرنے اور لوگوں کے اخلاق کو تبدیل کرنے سے پیچیدہ معاملات کو حل کرنے کا طریقہ اختیار کیا اس نقطۂ نگاہ سے مسیح کی زندگی کا مطالعہ شاید ہمارے لئے موجودہ مسائل کو زیادہ روشن اور واضح کرسکے۔

مسیح کے زمانہ میں بھی جس طرح کہ آجکل ہے ایسی جماعتیں تھیں

جو ایک دوسرے کی مخالف تھیں۔ مثلاً اہل یہود اور رومیوں کے درمیان ایسی ہی سخت عداوت تھی جیسی کہ موجودہ اقوام کے درمیان ہے۔ مُلک فلسطین کی مبارک سرزمین جس کا ہر ایک پتھر۔ پہاڑ اور دریا اہل یہود کے لئے مذہبی اور قومی یادگار تھا رومیوں جیسی بُت پرست قوم سے پائمال کی گئی تھی اور موسیٰ کی قوم رومیوں کی تلوار کے رُوبرو سر تسلیم خم کرچکی تھی۔ فقط اس سے ہی ہم اس نفرت۔ عداوت اور کینہ کا اندازہ لگاسکتے ہیں جو یہودی اور رومی کے دل میں ایک دوسرے کے لئے جاگزیں تھا۔ رومی اہل یہود کو تمام بنی نوع کا دشمن تصور کرتے تھے اور یہودی رومیوں کو "سگِ غیر مختون" کہکر اُن کی بے عزتی کرتے تھے۔ ہم دو ایسی قوموں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے جو ایک دوسرے کی جانی دشمن تھیں۔ باہمی اتفاق کے قواعد و قوانین کی کیا وقعت سمجھتے ہیں۔

ایسے حالات کے درمیان یسوع مسیح کا ظہور ہوا۔ وہ اُن ہر دو اقوام کو انسان اور خدا کے بیٹے تصوّر کرتا تھا۔ اس نے اپنی تعلیم کے ذریعہ اُنہیں بھی یہی سبق دیا کہ وہ ایک دوسرے کو اسی نظر سے دیکھیں اور اسی کے مطابق ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کریں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہودی اور رومی جو پہلے ایک دوسرے کے خُون کے پیاسے تھے ایک دوسرے کو ایک نئے نقطۂ نگاہ سے دیکھنے لگے۔ وہ جو مسیح کے خیال کو سمجھنے لگے اُنہوں نے حقیقی برادرانہ رفاقت کے مفہوم کو خوب معلوم کرلیا اور عداوت اُن کے دلوں سے کافور ہوگئی۔

خود اہل یہود کے درمیان ایسی جماعتیں موجود تھیں جو ایک دوسرے کی سخت دُشمن تھیں۔ مثلاً ایک جماعت تھی جن کے دل میں قومی جذبات

موجزن تھے اور جو اپنے آپ کو رومی سلطنت کی ظالمانہ حکومت سے آزاد کرنے کے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھی۔ وہ رومی حکومت کو جزیہ دینے سے انکار کرتی تھی اور وہ سلطنت کے خلاف بغاوت کرتی تھی۔ برعکس اس کے ایک اور جماعت تھی جس میں محصول لینے والے شامل تھے یعنی ایسے یہودی جو اپنے ذاتی نفع کی خاطر یہ چاہتے تھے کہ ملک فلسطین میں رومی سلطنت برقرار رہے اور اس لئے وہ مذکورہ بالا جماعت کی مخالفت کرتے تھے۔ اس جماعت کے فریق رومیوں کی طرف سے محصول جمع کرنے کے لئے مقرر کئے گئے تھے اور وہ محصول جمع کرتے وقت ناجائز اور ظالمانہ طریق سے کام لیتے تھے۔ گو یہ دونو جماعتیں اہل یہود میں سے تھیں لیکن تو بھی یہ دونوں ایک دوسرے کو نہایت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتی تھیں۔ نیشلسٹ اسرائیلی رومیوں سے اُتر کر ان اسرائیلیوں سے سخت متنفر تھے جو صیغۂ محصول کے عہدیدار تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں جماعتوں کے درمیان باہمی مفاہمت تو کیا بلکہ اس کا خیال تک بھی امر محال تھا شاید اس کا بہترین علاج یہ ہوتا کہ ایک جماعت دوسری کو بالکل برباد کر دیتی۔

مسیح نے اس معاملہ میں اپنی حیرت انگیز قوت و اقتدار ظاہر کیا۔ اُس کے حواریوں کے درمیان ایک شخص شمعون پطرس تھا جس کے دل میں قومی جذبہ تھا اور ایک اور شخص متی محصول لینے والا تھا جب یہ دونوں شروع میں مسیح کے حضور میں اکٹھے ہوئے ہونگے تو ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ پطرس کا کیا حال ہوگا اُس کے دل میں قومیت کی آگ شعلہ زن ہوگی اور وہ ضرور چاہتا ہوگا کہ اپنے کینہ و عداوت کی زیادتی کے باعث فوراً اُس تلوار سے جو ہمیشہ اُس کی کمر سے لٹکی رہتی تھی اُس موذی محصول لینے والے کا کام تمام

کر دے لیکن مسیح نے اپنی تعلیم اور اپنے نمونہ سے اُن دونوں کو باہم ملا دیا یہاں تک کہ وہ دونوں اکٹھے بیٹھکر ایک ہی میز پر کھانا کھاتے تھے۔

ایسے دو اشخاص کے باہم ملا دینے کا اس سے بہتر اور کیا علاج ہو سکتا تھا؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ شمعون جیسا حُب الوطن دیوانہ محصول لینے والے متی کو جان سے مار سکتا تھا۔ لیکن اس سے قومی فساد بجائے فرو ہونے کے اور بھی بڑھ جاتا۔ ظلم و ستم کے طریقے انسانی معاملات کو حل کرنے کے عوض اُنہیں لاینحل بنا دیتے ہیں۔ اگر انسان اپنے ذاتی نفع کے عوض دوسروں کے فائدہ کی خاطر خود انکاری کا سبق سیکھ لے اور اسی اصول سے ہر ایک معاملہ میں کام لے اور اگر وہ محبت کو دشمنی اور عداوت پر ترجیح دے تو اُس وقت اور صرف اُس وقت حقیقی سلامتی و امن و امان قائم ہو جائیگا۔

ایک مرتبہ دو بھائی مسیح کے پاس آئے۔ ان کے درمیان اپنے مرحوم والد کی جائداد کی تقسیم کرنے کے متعلق تنازعہ تھا۔ اُن دونوں بھائیوں میں سے ایک کی آرزو یہ تھی کہ خود سب مال و متاع لیلے اور اپنے بھائی کو اُس سے محروم رکھے۔ وہ بھائی جس کو جائداد کا کچھ حصہ نہ ملتا تھا نہایت غضبناک ہو کر مسیح کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ اے اُستاد میرے اس بھائی کو کہہ کہ ہمارے باپ کی جائداد کو تقسیم کرے۔ اب اس معاملہ کا فیصلہ شریعت کی رُو سے تو آسان تھا اور اُس شخص کو مسیح سے اُمید بھی یہی تھی لیکن شریعت کی رُو سے جائداد کی تقسیم کے باعث بھائیوں کی دشمنی ہرگز رفع نہ ہوتی بلکہ اور بھی زیادہ ہو جاتی۔ پس اس کے جواب میں مسیح نے فرمایا "مجھکو کس نے تمہارا منصف اور تقسیم کرنے والا بنایا ہے"؟ مسیح اس معاملہ میں دخل نہ دینا

چاہتا تھا۔ حاضرین مسیح کا یہ جواب سُنکر حیران ہو گئے۔ اُنہوں نے خیال کیا ہوگا کہ اگر یہ مسیح ہے جو انسان کی سلامتی اور امن کو پاک تصوّر کرتا ہے تو اُس نے دخل دینے سے کیوں احتراز کیا؟ اگر اس معاملہ کا فیصلہ شریعت کی رُو سے کیا جاتا تو کچھ مشکل نہ ہوتی۔ مسیح کے لئے یہ کرنا ناممکن تھا۔ لیکن جو بات خاص اس کے مدّنظر تھی وہ جائداد کی تقسیم نہ تھی بلکہ وہ ایسے دو بھائیوں کو باہم ملا دینا تھا جو ایک دوسرے سے لڑکر اُخوت اور برادری کے جذبات کی توہین کر رہے تھے۔ اُس کے نزدیک یہ جائداد کی مساوی تقسیم سے اولیٰ تر تھا۔ اس وجہ سے مسیح نے دونوں بھائیوں کی جانب دیکھکر کہا "لالچ سے بچو" کیونکہ ایسے مسائل کا حل حرص وطمع کی عدم موجودگی میں مخفی ہے۔ محبت اور برادرانہ اُلفت کے جذبات خود بخود انصاف کے قانون کو قائم کر لیتے ہیں اور اگر برادرانہ محبت کا جذبہ موجود نہ ہو اور فقط قانونِ انصاف پر عمل کیا جائے تو لوگوں کے درمیان کشمکش اور فساد کے اسباب نہ تو مٹ جائینگے اور نہ حقیقی خوشی نمودار ہوگی۔ شریعت سے محض عدل و راستی کے اعمال سرزد ہوتے ہیں لیکن وہ لوگوں کے دلوں سے عداوت کے خیالات نہیں نکال سکتی اور نہ ہی وہ اُس کے عوض محبت کے جذبات پیدا کر سکتی ہے۔ جب عداوت۔ حرص وطمع اور زر پرستی کے اصل اسباب جاتے رہتے ہیں تو عدل خود بخود نمودار ہوتا ہے اور لوگ ایک دوسرے کے ساتھ ظالمانہ نہیں بلکہ خود انکاری کا سلوک روا رکھتے ہیں۔

ایک اَور موقع پر یہودی سرداروں نے مسیح کے حضور ایک ایسی عورت کو پیش کیا جس نے شریعت کے خلاف عمل کیا تھا۔ اُنہوں نے کہا "یہودی مذہب کی شریعت کے مطابق تو اُس کو سنگسار کرنا چاہئے پر تُو کیا

کہتا ہے" مسیح نے شرما کر اپنا سر نیچے جُھکا لیا اور خاموش رہا۔ چونکہ بنی اسرائیل کے ہادیانِ مذہب یہ چاہتے تھے کہ اپنی مذہبی شریعت کے احکام کے مطابق اُس عورت کو سنگسار کریں پس اُنہوں نے دوبارہ پوچھا۔ اُس وقت مسیح کو مجبوراً جواب دینا پڑا لیکن اُس نے اس معاملہ پر ایک اَور نقطۂ نگاہ سے نظر کی۔ یہ عورت جس نے شریعت کے خلاف کام کیا تھا سزا کی حقدار تھی۔ لیکن مسیح کے نزدیک یہ بات زیادہ اہم تھی کہ کس طرح اُس کو گناہ کی حالت سے رہا کیا جائے۔ اس کا ایک اَور منشا یہ تھا کہ ان مغرور اشخاص پر اُن کی اپنی دروغگوئی کو ظاہر کرے۔ جنہوں نے خود بھی شاید شریعت کے خلاف عمل کیا تھا لیکن چونکہ وہ اپنے گناہ پوشیدگی میں کرتے تھے لہٰذا وہ لوگوں کی نگاہ میں پاکیزہ نظر آتے تھے پس اُن لوگوں کو جو لباسِ فاخرہ زیب تن کئے ہوئے تھے لیکن جن کے دل مکاری اور ریاکاری سے معمُور تھے مسیح نے یُوں فرمایا "تم میں سے جو معصوم ہو وہ پہلے پتھر مارے" مسیح نے پھر اُن لوگوں کے روبرو شرم کی وجہ سے اپنا سر جُھکا لیا جن کے دلوں میں اُس عورت کی بدحالی کے لئے ہمدردی اور مہربانی کا نام ونشان تک نہ تھا اور خاموش رہا۔ یہ لوگ جو نہایت دلیری سے اُس عورت کو گلیوں کُوچوں میں سے گھسیٹتے ہوئے اور بے عزّت کرتے ہوئے مسیح کے پاس لائے تھے اس جواب نے اُن کی ضمیروں پر اثر کیا۔ اُن کے چہرے مارے شرم کے سُرخ ہو گئے اور یکے بعد دیگرے وہ وہاں سے چل دئے۔ جب مسیح نے اپنی آنکھیں اُوپر اُٹھا کر نگاہ کی تو اُس نے دیکھا کہ اُس عورت کے سوا وہاں اور کوئی موجود نہ تھا۔ پھر اُس نے عورت کی جانب متوجہ ہو کر یہ کہا "مَیں بھی تجھے گنہگار نہیں ٹھہراتا۔ جا۔ پھر گناہ نہ کرنا"

مسیح نے ٹھیک فیصلہ کیا کیونکہ اگر وہ عورت کو گنہگار ٹھہراتا تو اُس کی رُوح ہلاک ہو جاتی اور باقی لوگ اُسی طرح ریاکاری کی زندگیاں بسر کرتے رہتے۔ اس لئے مسیح نے یہ چاہا کہ عورت کو بھی بچالے اور دوسرے لوگوں کے دلوں پر بھی اثر کرے۔ اور یہ مسئلہ اس طرح حل ہو سکتا تھا۔ شریعت زناکاری کی سزا کا بندوبست کرتی ہے لیکن نفسانی وشہوانی خواہشات کی بیخکنی نہیں کرتی۔ خانگی زندگی اور اخلاق کی خوبی و پاکیزگی کے لئے روح کی پاکیزگی اور صفائی کی ضرورت ہے۔ شخصی اور معاشری پاکیزگی فقط اسی طریق سے ممکن ہو سکتی ہے۔

اُن دنوں میں مُلک کی حکومت ایک حاکم مطلق کے اختیار میں تھی۔ ہر قسم کا خراج و جزیہ لوگوں سے لیا جاتا تھا بلکہ ظلم وستم کے ذریعہ سے یہ اُن سے جمع کیا جاتا تھا۔ اور جمع شدہ رقم فوج کے خرچ و اخراجات عالیشان محلوں شاندار عمارتوں اور خوبصورت مندروں کی تعمیر میں جہاں بُت رکھے جاتے تھے شمشیر بازی اور اِسی قسم کے اَور فضولیات میں صرف ہوتی تھی۔ چونکہ بنی اسرائیل اِس ظالم حکومت کو جزیہ نہ دینا چاہتے تھے لہٰذا گاہے گاہے بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ حالانکہ مسیح ان ستم انگیز معاملات سے خوب واقف تھا تو بھی اہل یہود کی مانند حکومت کی مخالفت نہ کرتا تھا۔ اور جب اُس سے یہ پُوچھا گیا کہ "کیا قیصر کو جزیہ دینا روا ہے"؟ تو اُس نے فرمایا "جو خدا کا ہے خدا کو دو اور جو قیصر کا ہے قیصر کو"۔ جب انہوں نے اس سے جزیہ طلب کیا تو چونکہ اُس کے پاس نقدی نہ تھی اُس نے اپنے شاگردوں میں سے ایک کو حکم کیا کہ مچھلی پکڑے اور جزیہ دے۔ اگر اہل یہود کے خیال کی پیروی کی جاتی تو اُس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ رومی حکومت برباد ہو جاتی اور اس

کے عوض ایک ایسی سلطنت قائم ہو جاتی جو کور باطن مذہبی دیوانوں کے قبضۂ قدرت میں ہوتی لیکن مسیح کا یہ منشا اور مُدعا نہ تھا کیونکہ مسیح کا مقصد ایک قوم کی تباہی اور دوسری کی سرفرازی سے بر نہ آتا۔ برعکس اس کے اس کی یہ آرزو تھی کہ لوگوں کے دلوں سے کینہ و عداوت کے جذبات کو نکال دے اور اُن کو باہم ملا کر دُنیا میں اُخوت کو قائم کرے۔ اِس لئے اُس نے معاشری حالات کی اصلاح کے لئے ظلم و جبر سے کام نہ لیا بلکہ یہ کوشش کرتا رہا کہ لوگوں کی اخلاقی کیفیت بدل ڈالے۔

معاشری معاملات میں مسیح کی عقلمندی اور اُس کی عجیب و غریب شخصی زندگی نے لوگوں کے خیالات اور اُن کی عقلوں کو اِس طرح بدل ڈالا جس طرح کہ اُس زمانہ میں کوئی اَور طاقت اُن کو ہرگز نہ بدل سکتی۔ بعد ازاں قومی متعصب۔ محصول لینے والے۔ یہودی جو مذہبی دیوانے تھے غیر مختون اور بُت پرست رومی برادرانہ اُلفت کے ساتھ باہم زندگی بسر کرنے لگے۔ یہ لوگ جو پیش ازیں ایسی زندگیاں بسر کرتے تھے جو ریاکاری۔ حقارت اور نفرت سے بھری تھیں اب دوسروں کی مدد اور اُن کی خدمت کرنے کو اپنا دینی فرض سمجھنے لگے۔ مسیح کا مقصد یہی تھا۔ لوگوں کے سامنے نمونہ پیش کرنے کے لئے مسیح نے خود سب لوگوں سے بیحد محبت کی۔ باوجود اُن تمام بداعمالیوں کے جو وہ دیکھتا تھا اُس نے محبت کرنی نہ چھوڑی۔ یہاں تک کہ اُس نے اس مقصد کو حاصل کرنے میں اپنی جان تک قربان کر دی۔ کیونکہ حقیقی رفاقت و میل ملاپ کو لوگوں کے درمیان قائم کرنے کے لئے یہ ضرور تھا کہ لوگ ایک دوسرے سے محبت رکھیں۔ مسیح نے اِس مقصد کے حصول میں نہایت دیانتداری اور ایمانداری سے کام لیا بلکہ اپنی جان دینے